ادب اور سیاست

ڈاکٹر عنبرین شاکر جان

Abstract:

Politics and literature are two distinct fields of life. One is related to effect betterment in the external facet of social life whereas the other is concerned with the internal life of a man and have an implicit impact on the external affairs of life. This article discusses the mutual relationship of politics and literature.

کلیدی الفاظ: ادب، سیاست، سماج، ترقی، خارجی، داخلی، تبدیلی

ادب اور سیاست دونوں انسان کی معاشرتی زندگی کے اہم پہلو ہیں۔ دونوں کی بنیادیں معاشرے پر قائم ہوتی ہیں۔ ادب و سیاست کسی شخص کا انفرادی عمل بھی ہو سکتے ہیں مگر کوئی سیاست دان اپنی سیاسی بصیرت اپنی ذات میں پیدا تو کر سکتا ہے مگر اس بصیرت کے عملی اطلاق کے لیے اسے معاشرے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح ادب کی تخلیق بھی کسی ادیب کا انفرادی عمل ہو سکتا ہے مگر ادبی دنیا و مافیہا سے لاتعلق رہ کر وہ وسائل حاصل نہیں کر سکتا جو اسے تخلیقی قوت فراہم کرتے ہیں۔ ادیب اپنی تخلیقات کا خام مواد معاشرے سے اٹھاتا ہے اور اسے اپنے تخیل اور قوت مخترعہ کی بھٹی میں تپا کر کندن بناتا ہے اور یہ تخلیقی عمل محض اس کی اپنی ذات کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس کے ثمرات بھی معاشرے کے لیے ہوتے ہیں۔

اصطلاحی معنوں میں ادب کسی شخص کے احساسات و مشاہدات کے اس جمالیاتی اظہار کا نام ہے جو کسی مخصوص ضابطے یا اسلوب کو مدِنظر رکھتے ہوئے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ادب کی تعریف یوں کرتے ہیں:

> ادب وہ فنِ لطیف ہے جس کے ذریعے ادیب جذبات و افکار کو اپنے خاص نفسیاتی و شخصی خصائص کے مطابق نہ صرف ظاہر کرتا ہے بلکہ الفاظ کے واسطے سے زندگی کے داخلی اور خارجی

حقائق کی روشنی میں ان کی ترجمانی اور تنقید بھی کرتا ہے اور اپنے تخیل اور قوت مخترعہ سے کام لے کر اظہار و بیان کے ایسے مؤثر پیرائے اختیار کرتا ہے جن سے سامع و قاری کا جذبہ و تخیل بھی تقریباً اسی طرح متاثر ہوتا ہے جس طرح خود ادیب کا اپنا تخیل و جذبہ متاثر ہوا۔(۱)

لفظ سیاست کے لغوی معنی ملک کی حفاظت و نگرانی، حکومت و سلطنت، انتظامِ ملک، بندوبست اور نظم و نسق کے ہیں۔(۲) اصطلاحی اعتبار سے بھی یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔بعض اوقات یہ حکمت و دانائی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر سیاست کا تعلق عوام سے ہے چاہے وہ کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتے ہوں۔عوام کا تعلق انتظامی حوالے سے کسی صوبے، ریاست، ملک یا کسی انتظامی یونٹ سے ہوسکتا ہے۔ گویا سیاست انسانی زندگی کا وہ شعبہ یا طریقہ کار ہے جو کسی علاقے، ملک یا ریاست کے کاروبارِ حکومت کو سنبھالے۔ اگرچہ آج کے دور میں سیاست کے معنی مثبت سے زیادہ منفی تاثر کے حامل ہیں لیکن دراصل سیاست کا معنی و مفہوم یہی ہے۔ گویا سیاسی عمل عوام اور ریاست کے درمیان تعلق کا نام ہے۔ ڈیگارٹس کہتا ہے کہ ''ریاست ایک مشین کی حیثیت رکھتی ہے اور شہری اس کے پرزے ہیں۔''(۳)

سیاست کا نقطۂ آغاز بھی وہی ہے جو انسان کی معاشرتی و گروہی زندگی کا ہے۔ انسان نے جب سے معاشرے میں مل جل کر رہنا سیکھا ہے، اسے بتدریج اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کے پاس کوئی نظام اور کوئی ضابطہ ایسا ضرور موجود ہو جس کے اطلاق سے اس گروہ یا اس مخصوص خطے میں رہنے والے افراد ایک احسن اجتماعی زندگی گزار سکیں۔ اور جب نظام یا ضابطے کا متعلقہ لوگوں پر اطلاق کیا جاتا ہو تو اس اطلاقی عمل کے لیے بھی کسی طاقت یا قوت کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا انھی عوام میں سے بعض لوگ ان اصولوں اور ضابطوں پر عمل درآمد کروانے کے لیے ایک مقتدر قوت بنا دیے جاتے ہیں یا پھر وہ خود ہی بن جاتے ہیں۔ اس اقتدار کے بعد وہ ان امور کی انجام دہی کے ذمہ دار بنتے ہیں جو کاروبارِ سلطنت سے متعلق ہوتے ہیں۔

اقتدار اور قوت کا حصول انسان کی جبلت میں شامل ہے۔ اور جب کسی علاقے یا معاشرے میں کوئی ایک فرد یا گروہ مقتدر قوت بن جاتا ہے تو اس کی دیکھا دیکھی یا پھر اسی طرح کے کسی اور جذبے کے تحت دیگر لوگ بھی اس اقتدار اور قوت کے حصول کی دوڑ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح سیاست ایک اجتماعی عمل بن جاتا ہے۔ جس کے اثرات پھر اس علاقے اور معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اس معاشرے کا کوئی بھی فرد اقتدار کے حصول کے اس عمل کا حصہ بن سکتا ہے۔ اقتدار کے حصول کا یہ عمل فی الحقیقت ایک مثبت سرگرمی ہے جس میں ایک انسان یا انسانوں کا گروہ اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں پر مشتمل معاشرے کی بہتری اور فلاح کے لیے سوچتا ہے، خود کو عامۃ الناس کا خیرخواہ بناتا ہے اور اپنی اس فکر کو عملی جامہ پہنانے کے طریقے اور قوانین وضع کرتا ہے یا پہلے سے وضع شدہ قوانین پر عمل کرتا ہے۔ ریاستی قوانین کی مثالی شکل یہ ہے کہ وہ فلاحی ہوں۔ جان لاک کہتا ہے کہ ''ریاست کے قوانین کو ربانی قوانین (Divine Laws) اور فطری قوانین (Natural Law) کے مطابق ہونا چاہیے۔''(۴)

اگر چہ اقتدار کی قوت کے حصول کی خواہش بہت سے لوگوں کو ہوسکتی ہے مگر یہ لازم نہیں کہ سب ہی اس سے بہرہ مند ہوں۔ جو لوگ اقتدار کے ایوانوں میں نہیں پہنچ سکتے وہ اہلِ اقتدار کی سرگرمیوں پر نظر رکھتے ہیں۔ ان کی اچھائیوں پر انھیں تحسین جبکہ ان کی خامیوں پر ان پر تنقید کرتے ہیں۔ معاشرے کے فرد کی حیثیت سے اور ریاست کے شہری کی حیثیت سے کوئی فرد اپنی ریاست کے طریق حکمرانی میں بعض تبدیلیوں اور ترامیم کا خواہش مند ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اس کے ذہن میں بھی سیاست سے متعلق کوئی نہ کوئی خاکہ یا وژن موجود ہوتا ہے۔ اپنی اسی بصیرت کی بنا پر وہ اپنے وقت کی سیاسی سرگرمیوں میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ یوں تمام افراد معاشرہ یا ریاست کے تمام شہری کسی نہ کسی طور نظامِ سیاست کا حصہ ہوتے ہیں۔ یوں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی علاقے کی سیاست معاشرتی سطح پر ایک مجموعی رویے کا نام ہے جو عوام و خواص دونوں کی بھلائی کا کام سرانجام دینے کی کوشش کرتی ہے۔ ڈاکٹر رشید امجد لکھتے ہیں کہ ''سیاست ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی پورے دور کی تمام قدروں سے متعین ہوتے ہیں۔'' (۵) گویا سیاست کسی دور کے انسانوں اور ان انسانی قدروں کا مرکب ہوتی ہے جو اس زمان و مکان کی حدوں میں موجود ہوتی ہیں۔ گزرتے وقت اور بدلتی اقدار کے ساتھ ساتھ سیاست کے معنی و مفہوم میں بھی کچھ تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔ تاہم مجموعی طور پر ہم سیاست کو عوام کی ایک انتظامی قوت کہہ سکتے ہیں جو وقت اور حالات کے مطابق ترتیب پاتی ہے۔ بقول سٹیفن سپنڈر:

> سیاست کا مقصد سیاست نہیں بلکہ وہ تمام محرکات ہیں جن پر مملکت کے سیاسی ڈھانچے کے اندر عمل کیا جا سکتا ہے۔۔۔ ایک ایسا سماج جس میں سیاست کے باہر کوئی اقدار نہ ہوں ایک مشین کی طرح ہے جو انسانی مال اسباب ڈھوتی رہتی ہے لیکن اس کے اداروں کا کوئی ایسا مقصد نہیں ہوتا جس میں انسانوں کی ذمے داری، خارجی خواہشات، تنہائی اور محبت کی ضرورتوں کی عکاسی ہو سکے۔ (۶)

لہٰذا جدید دور میں اور خاص طور پر ادبی نقطۂ نگاہ سے سیاست کے مفہوم کے اندر اور بہت سے معنی شامل ہو گئے ہیں۔ آج جب ہم ادب کے تناظر میں سیاست کی بات کرتے ہیں تو سماجی زندگی کے تقریباً تمام پہلو پیشِ نظر ہوتے ہیں کیونکہ یہ سب سیاست سے براہِ راست یا بالواسطہ متاثر ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں اشفاق حسین لکھتے ہیں:

> ساعتوں کے بحران میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ الفاظ اپنے بدن سے معنویت کا لباس اتار دیتے ہیں اور تب آنکھوں کو وہ کچھ نظر نہیں آتا جو کچھ کہ وہ دیکھنا چاہتی ہیں۔ سیاست کا لفظ بھی اسی بحران کا شکار ہے۔ آنکھوں کے بند دریچوں سے جھانکنے کی کوشش کیجیے تو سیاست زیادہ سے زیادہ اقتدارِ اعلیٰ کے منصب تک پہنچنے کا نردبان یا حکمرانوں کا پسندیدہ مشغلہ نظر آئے گا۔۔۔ سیاست کے دو دائرے ہیں۔ ایک وہ جو معاشرے کے ظاہر و باطن پر محیط ہے اور جس کی رُو سے ہر وہ سرگرمی جس سے معاشرتی زندگی متاثر ہوتی ہو۔ مذہبی ہو یا غیر مذہبی، ادبی ہو تہذیبی، انتظامی ہو یا قانونی، اخلاقی ہو یا معاشی، کاروبارِ سیاست کا حصہ ہے۔ دوسرا دائرہ سیاست کا

> محدود دائرہ ہے جس کا تعلق معاشرے کے صرف آئینی، قانونی اور معاشی نظم ونسق سے ہے۔ عام طور سے سیاست کے لفظ کو انھیں محدود معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ بساطِ اقتدار پر سازشوں کے مہرے آگے پیچھے کرنے سے نہ تو عام انسانوں کا براہِ راست تعلق ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اخلاقی اساس ہے۔ بلکہ یہ تصور، سیاست کی معنوی سرحدوں کو بہت کمزور اور حقیر بنا دیتا ہے۔لیکن اس کے برخلاف آج صورتِ حال شاید یوں نہیں ہے۔ اب یہ لفظ ایک نظریۂ اخلاق کے ساتھ ساتھ انسان دوستی، ظلم کے خلاف جدوجہد اور حق پسندی کی رہگزار پر چلنے کا ایک خوبصورت استعارہ بھی بن گیا ہے۔(۷)

گویا سیاست کا لغوی اور اصطلاحی معنی جو بھی ہو ادبی تناظر میں یہ لفظ پورے سماجی عمل کا استعارہ ہے۔

سیاست اور ادب زندگی کے دومختلف شعبے ہیں۔ سیاست عملی طور پر معاشرے میں ایک مقتدر قوت اور اسے ایک اجتماعی وحدت بناتی ہے جبکہ ادب معاشرتی اقدار کی اخلاقی بنیادوں پر آبیاری کرتا ہے۔ بظاہر ادب کے مقابلے میں سیاست کی عمل داری زیادہ وسیع ہے مگر بالواسطہ طور پر ادب بھی اپنے حلقۂ اثر میں وسعت رکھتا ہے۔عموماً ادب اور ادبی رویے سیاست سے متاثر ہوتے ہیں لیکن بعض اوقات بڑا ادب اپنے اندر براہِ راست سیاست کو متاثر کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ ادب اور سیاست دونوں ہی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کا ایک دوسرے سے تعلق رکھنا اور باہم متاثر ہونا عین ممکن بلکہ لازم ہے۔

سیاست اور ادب معاشرتی زندگی میں بظاہر اپنی الگ الگ راہِ عمل رکھتے ہیں۔ ایک کا کام سماجی زندگی میں خارجی سطح پر بہتری وتبدیلی لانا اور اس کا نظم ونسق برقرار رکھنا ہے جبکہ دوسرا انسان کی باطنی دنیا سے سفر کا آغاز کرتا ہے اور خارجی حالات کو اپنے افکار سے خاموشی سے اور غیر محسوس طور پر متاثر کرتا ہے۔ سیاست بھی سماجی تبدیلی کو اپنا مطمحِ نظر بناتی ہے اور ادب کے پیشِ نظر بھی یہی مقصد ہوتا ہے۔ اگرچہ ادب برائے ادب کا نقطۂ نظر بھی موجود ہے مگر ہزار تاویلوں کے باوجود ہم ادب کو زندگی سے یا سماج وسیاست سے الگ نہیں کر سکتے۔ بقول محمد حسن عسکری:

> ہمارے یہاں جو لوگ ''خالص ادب'' کے قائل ہیں، وہ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ ادب میں سماجی عوامل یا سیاسی واقعات کا ذکر نہیں آنا چاہیے، نہ ادیب کو ان معاملات میں پڑنا چاہیے۔ بعض دفعہ اس قسم کے اردو ادیب کچھ ایسا ظاہر کرتے ہیں جیسے کسی مغربی روایت کی پیروی کر رہے ہوں۔لیکن جہاں تک میں واقف ہوں مجھے تو مغرب میں کوئی ایسی وقیع ادبی روایت نظر نہیں آتی جو سیاست سے اس درجہ گھبراتی ہو اور اپنے گردوپیش سے بے خبر رہنا چاہتی ہو۔(۸)

ادبی روایت کے علاوہ ایسا ادب پارہ تلاش کرنا بھی مشکل ہے جو سماجی صورت حال سے بیگانہ رہ کر وجود میں لایا گیا ہو۔حفیظ صدیقی کے بقول:

> ادب برائے ادب کے علمبردار آج تک مناسب اور معقول طوالت رکھنے والے کسی ایسے ادب پارے کی نشاندہی نہیں کر سکے جسے ہر اعتبار سے خالص جمالیاتی ادب قرار دیا جا سکے۔ کیونکہ فن

> کار بہرحال معاشرے کا ایک فرد ہے، اپنے ماحول کی کچھ چیزیں اسے پسند ہیں اور کچھ ناپسند۔ اس کے کچھ مذہبی عقائد بھی ہیں ۔۔۔ چنانچہ سماجی پس منظر سے الگ ہو کر خالص جمالیاتی سوچ ممکن ہی نہیں۔ ہم سماجی امور کو ادب کا موضوع بنانے سے کتنا ہی اجتناب کریں، ہماری شخصیت، کردار اور فکر واحساس کے وہ اجزاء جو جزوی یا کُلّی طور پر سماجی ماحول کی پیداوار ہیں۔ ادب میں شامل ہونے کے لیے بے قرار رہتے ہیں ۔۔۔ چنانچہ کسی ادب پارے میں سماجی زندگی کے رشتے کمزور تو ہو سکتے ہیں، منقطع نہیں ہو سکتے۔(۹)

جس سماجی پس منظر سے ادب کی عمارت اپنی بنیادیں اٹھاتی ہے، سیاسی صورت حال نہ صرف اس کا ایک اہم حصہ ہے بلکہ اکثر اوقات سیاسی تبدیلیاں ہی سماجی تبدیلیوں کا باعث ہوتی ہیں۔ سیاست، ادب کے مقابلے میں، وقتی طور پر ہی سہی، ظاہراً زیادہ قوت رکھتی ہے۔ سیاست دان ادیب کے مقابلے میں معاشرے پر بحیثیتِ مجموعی زیادہ اثرانداز ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ اثراندازی وقتی ہوتی ہے مگر اس کے اثرات معاشرے پر بہرحال مرتب ہوتے ہیں۔ قوموں کے سیاسی فیصلے اور سیاسی تحریکیں ادب کو متاثر کرتی ہیں اور ادب ان سے متاثر ہو کر بعض اوقات اپنا رخ متعین کرتا ہے۔ ایوانِ اقتدار میں ہونے والے فیصلے اور بعض سیاسی واقعات ادب سمیت زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کرتے ہیں۔ اس کی مثالیں ماضی قریب میں انقلابِ روس کے بعد ترقی پسند ادب کی دی جا سکتی ہے اور قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت اور فسادات وغیرہ کے ادبی موضوعات کو ہم سیاسی اثرات کے نتیجے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ادب معاشرے اور سیاست پر اپنے اثرات مرتب کرتا ہے مگر اس کے اثرات ہنگامی نہیں ہوتے لہٰذا وہ فوری طور پر ظاہر بھی نہیں ہوتے۔ عمومی طور پر ادب کے معاشرتی رویوں پر اثرات ایک بتدریج اور سست رَوعمل ہوتا ہے۔ یہ عمل ایک طرح سے بالواسطہ ہوتا ہے جسے ہم خارجی پیمانوں سے نہیں ناپ سکتے۔ ادب کے سماج اور سیاست پر اثرات کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> ادب ایک ایسا سماجی عمل ہے جو زبان اور تخلیق کے حوالے سے بالواسطہ طور پر زندگی، معاشرے اور عوام کو متاثر کرتا ہے ۔۔۔ یہاں اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ ادب قوموں، ملکوں اور لوگوں پر اپنا اثر ضرور مرتب کرتا ہے لیکن یہ اثر فوری یا براہِ راست نہیں ہوتا ۔۔۔ اس کا دائرۂ اثر اتنا وسیع اور طریقۂ عمل اتنا بالواسطہ ہے کہ ان اثرات کا اعداد وشمار کے حوالے سے جائزہ لینا ممکن ہی نہیں۔ شاید اسی لیے ہم ادب کی کامیابی کا جائزہ فوری اثرات کے برعکس کچھ فاصلے سے لگاتے ہیں۔(۱۰)

کوئی شخص جب ادیب ہے یا اسے ادیب ہونے کا دعویٰ ہے تو یقیناً اس کے ہاں ایک واضح یا مبہم ادبی شعور بھی ہوگا۔ یہ ادبی شعور کوئی مفرد شے نہیں بلکہ ایک مرکب عمل ہے۔ اس ادبی شعور کے پس منظر میں اس ادیب کے ذاتی، سماجی اور ملکی اور آج کے دور کی بات کریں تو بین الاقوامی حالات بھی موجود ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ لکھنے والے کا اپنے زمانے کے حالات سے بڑا قریب کا تعلق ہوتا ہے۔ اور وہ معاشرتی رویوں، سیاسی واقعات کو نہ

صرف دیکھتا اور محسوس کرتا ہے بلکہ اپنے تخلیقی عمل کا حصہ بنا کر اسے لوگوں کی زندگی سے جوڑ دیتا ہے۔ وارث علوی لکھتے ہیں:

> فن کار کا اپنی عصری زندگی کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے۔اور اگر اس کی عصری زندگی کے مسائل بنیادی طور پر سیاسی ہیں تو یہ مسائل بھی اس کے ادب میں جھلکتے ہیں۔ انسانوں سے الگ سیاست کا کوئی وجود نہیں اور ادب کا تعلق انسانوں سے ہے۔ اور اس لیے ادب میں سیاست بھی انسانوں کے وسیلے ہی سے آتی ہے۔(۱۱)

انسانوں سے الگ نہ تو سیاست کا وجود ہے اور نہ ہی انسانوں سے ماورا کوئی ادب اپنا وجود قائم رکھ سکتا ہے۔ ادب اور سیاست سمیت ہر ایک شعبۂ زندگی کا محور و مرکز خود انسان ہے۔ اس طرح ادب اور سیاست کا ایک تعلق تو انسان کے مرکزی نقطے پر آ کر قائم ہوتا ہے اور اس کے بعد ان کی اپنی صفات ہیں جو ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ادب بالخصوص شاعری پر دیگر شعبہ ہائے زندگی بالخصوص سیاست کے اثرات کے بارے میں سجاد حارث رقم طراز ہیں:

> شاعری، سیاست اور فلسفے کا اپنا اپنا الگ دائرۂ اثر، غایت، طریقِ عمل اور منہاج ہوتا ہے۔لیکن اس نوعی اختلاف کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ فلسفہ یا سیاسی نظریہ اور رویہ شاعری میں بار نہیں پا سکتا۔ شاعری اور فن و ادب زندگی ہی سے حسن، قوت اور آہنگ حاصل کرتا ہے۔۔۔عصر جدید میں تو سیاست اور فلسفے کے عینی اور مادی تصورات زندگی کے اہم ترین مظاہر بن چکے ہیں۔ لہٰذا شاعری میں زندگی کے ان مظاہر کے درمیان پایا جانے والا تضاد اور تصادم موجودہ چیزوں کو عمیق نگاہوں سے دیکھنے والے شاعر کے لیے فطری طور پر قابلِ توجہ بن جاتا ہے۔(۱۲)

ادب زندگی ہی سے قوت، حسن اور آہنگ حاصل کرتا ہے۔ اس بات کو مدِنظر رکھیں تو زندگی کے توانا مظاہر جن میں سیاست بھی شامل ہے۔ ادب کو براہِ راست متاثر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سیاست معاشرے کی مقتدر قوت ہونے کی وجہ سے ادب سمیت زندگی کے تقریباً تمام شعبوں کو براہِ راست متاثر کرتی ہے۔ مجموعی معاشرتی اور مدنی ماحول کی تشکیل میں سیاسی عناصر اور عزائم بنیادی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔منفی سیاسی اقدار معاشرے پر بُرے اثرات مرتب کرتی ہیں جبکہ مثبت سیاسی اقدار ریاست کو فلاحی ریاست کی طرف لے جاتی ہیں۔سیاست کا اولین کام بھی فلاحی ریاست کی تعمیر ہے اور اس سے ادب سمیت زندگی کا ہر شعبہ اس بات کی توقع بھی رکھتا ہے۔ ژاں پال سارتر بھی سیاسی عمل سے اسی بات کی توقع رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> فرانسیسی مفکر، ادیب ژاں پال سارتر سے جب پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک ادب اور سیاست کا کیا رشتہ ہے تو اس نے جواب دیا کہ سیاسی عمل کو ایک ایسی دنیا کی تعمیر کرنی چاہیے جس میں ادب آزادی کی فضا میں اظہار کر سکے۔(۱۳)

سارتر نے سیاسی عمل سے جس بات کی توقع کی ہے وہ بجا ہے مگر سیاست نے بیشتر اوقات ایسی دنیا کی

تعمیر نہیں کی کہ جس میں ادب نے آزادی سے اپنا اظہار کیا ہو۔معلوم انسانی تاریخ سے لے کر اب تک کے سیاسی عمل پر نگاہ ڈالنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہر علاقے اور دور کی سیاست نے ریاست کو ہوسِ جہانگیری اور مزید کی تلاش کا وطیرہ عطا کیا۔سیاسی طور پر مقتدر گروہ اپنے شخصی یا گروہی مفادات کے لیے اپنے اقتدار کے دن طویل کرنے کے آرزومند ہوتے ہیں ۔ بقول ڈاکٹر مبارک علی:

> کسی بھی معاشرہ کی بنیاد اس کے معاشی وسماجی اور سیاسی اداروں پر ہوتی ہے اور ان اداروں کی تشکیل میں طبقاتی مفادات ہوتے ہیں اور یہی مفادات انھیں فرسودہ اور ناکارہ ہونے کے باوجود برقرار اور زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔(۱۴)

لہٰذا دورِ قدیم سے لے کر اب تک سیاسی منظر میں جدلیاتی عمل جاری رہا۔ اس طرح جن حالات کا معاشرے کو سامنا کرنا پڑا وہ قدغنوں، پابندیوں اور گھٹن سے بھرپور نظر آئے۔ یہ فضا اگرچہ سارتر کی خواہش کے مطابق ادب کی آزادی سے پنپنے کی اجازت نہیں دیتی مگر ان جکڑبندیوں کے دور میں جو ادب پیدا ہوا وہ دنیا کا بڑا ادب بنا۔ روسی ادب کی مثال اس سلسلے میں دی جاسکتی ہے۔اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ سیاست کے اثرات اچھی اور بری دونوں صورتوں میں ادب پر پڑتے ہیں مگر سیاست کا منفی دور یا پہلو ادب پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے اور اس دور میں ادب انسانی زندگی کے طرزِ احساس کو زیادہ بہتر انداز سے سامنے لاتا ہے۔

سیاست انسانی زندگی کا ایک شعبہ ہونے کے باوجود ایک غالب حیثیت کی حامل ہے۔ ادب ہی نہیں انسان کے طرزِ احساس کی تشکیل میں جو عناصر کارفرما ہیں، سیاسی حالات ان میں سے ایک اہم عنصر ہیں۔ بقول سجاد باقر رضوی:

> ۔۔۔سوال یہ ہے کہ زندگی کی وہ کون سی قوتیں ہیں جو ہمارے طرزِ احساس کی تشکیل کرتی ہیں۔ اس ضمن میں مَیں یہ کہوں گا کہ یہ قوتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو ہماری زندگی کے مقداری رشتوں کا تعین کرتی ہیں اور دوسری وہ جو ہمیں اقدار کے رشتوں میں منسلک کرتی ہیں ۔پہلی قوت کا تعلق معاشی و سیاسی حالات سے ہے اور دوسری کا تعلق زندگی کے جذباتی و روحانی اظہار سے ہے۔"(۱۵)

اپنے زمانے کو اور زمانے کے حالات کو جانے بغیر کوئی بھی فن کار زندہ ادب تخلیق نہیں کرسکتا۔ادب زندگی کی ترجمانی کرتا ہے اور زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والے مظاہر میں سیاست بھی شامل ہے۔اپنے زمانے کے سیاسی رویے جانے بغیر ادیب بڑے فن پارے کی تخلیق نہیں کرسکتا کیونکہ اس تخلیقی عمل میں عصری شعور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا بڑا ادیب نہ صرف یہ کہ اپنے عہد کے سیاسی رویوں سے آشنا ہوتا ہے بلکہ وہ ماضی کے جھروکوں سے جھانک کر زمانۂ گذشتہ کے احوال کو بھی دیکھتا ہے اور اس کی کڑیاں اپنے وقت سے جوڑتا ہے۔ اس طرح وہ اس لمحۂ موجود میں جو ادب تخلیق کرتا ہے اس میں ماضی اور حال کی آمیزش سے ایک ایسے آئینے کے طور پر سامنے آتا ہے جس میں مستقبل کا منظرنامہ بھی نظر آتا ہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> عصری آگہی کے بغیر بڑا ادب تخلیق نہیں کیا جا سکتا۔ اپنے زمانے اور اس کے شعور ہی سے تخلیق کی روح بیدار ہوتی ہے۔ لیکن یہ روح صرف زندگی کی یک رخی ترجمانی نہیں کرتی بلکہ اس میں لاتعداد رخوں کو سمیٹ کر اسے کچھ اور بنا دیتی ہے۔ اور اسی لیے ادب کی آواز ایک طرف اپنے دور کی اور دوسری طرف آنے والے دور کی آواز بن جاتی ہے۔(۱۶)

عصری آگہی کا سب سے اہم پہلو سیاسی آگہی کو کہا جا سکتا ہے کیونکہ روحِ عصر پر جو قوت سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے وہ سیاست ہی ہے۔ فی زمانہ نہ صرف کسی ریاست کی حدود کے اندر موجود سیاسی قوتیں اس کے امور پر اثر انداز ہوتی ہیں بلکہ اب تو کوئی بھی ریاست اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ بیرونی سیاسی اثرات سے جنھیں ہم بین الاقوامی سیاسی اثرات بھی کہہ سکتے ہیں، اپنی اندرونی سیاست کو بچا سکے۔ دنیا کی بعض بڑی قوتیں اپنی سیاسی بالادستی کو کمزور ریاستوں پر استعمال کرتی ہیں۔ اس طرح نہ صرف ان ریاستوں کی اپنی سیاست متاثر ہوتی ہے بلکہ یہاں کے دیگر شعبہ ہائے زندگی بھی بالواسطہ طور پر اس بین الاقوامی سیاسی یلغار کی زد میں نظر آتے ہیں۔ لہٰذا آج کے زمانے میں ہم ادب کو محض مقامی سیاسی اثرات ہی سے نہیں بلکہ بین الاقوامی سیاسی اثرات کے زیر اثر دیکھ سکتے ہیں۔ ادب پر سیاست کے اثرات تو پہلے سے تسلیم شدہ ہیں مگر بین الاقوامی سیاسی رویوں کی بدولت کہا جا سکتا ہے کہ آج کے عہد میں ادب کا سیاسی نظریات اور عوامل سے متاثر ہونا نہایت یقینی امر ہے۔ اور معاصر ادب کے پس منظر میں سیاسی محرکات سب سے اہم عنصر کا درجہ رکھتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر رشید امجد:

> اگر سیاست کو وسیع تر معنوں میں دیکھنا مقصود ہے تو سوال یہ ہے کہ وہ کون سا شاعر یا ادیب ہے جس کے یہاں اس کے دور کا سیاسی شعور نہیں ملتا ۔۔۔ یا جس کی تحریر میں اس کا عہد موجود نہیں۔ سیدھی سادی بات تو یہ ہے کہ ایک زندہ ادیب اپنے عہد اور اس کے شعور سے اپنا رشتہ توڑ ہی نہیں سکتا ۔۔۔ جس طرح ہم کسی تحریر کو صرف اس وجہ سے عظیم نہیں قرار دے سکتے کہ اس کا موضوع بڑا ہے۔ اسی طرح محض فنی تقاضوں کا عمدہ اظہار بھی بڑا ادب نہیں بنتا۔ بڑا اور زندہ ادب تو ایک مرکب عمل ہے، اپنے دور کے شعور اور فنی تقاضوں کی ہم آہنگی کا۔ باقی تمام چیزیں اس مرکب عمل ہی کی جزئیات ہیں۔(۱۷)

مختصر یہ کہ ہر دور میں ادب پر ماحول اور گرد و پیش کے اثرات، بالخصوص سیاسی اثرات نے اپنے نقش مرتب کیے ہیں۔ اور کوئی بھی ادیب، شاعر اپنے عہد سے لاتعلق رہ کر ادب پیدا نہیں کر سکتا۔ ''ادب کا سماج سے علیحدہ کوئی وجود نہیں ہے۔ ۔۔ ادب پر اس دور کے سماج کی تحریکات کا اثر پڑتا ہے اور عوام کے رجحانات کا عکاس ہوتا ہے۔''(۱۸) بلکہ زندہ ادب تو شعورِ عصر کی کوکھ میں پلتا ہے اور تخلیق پانے کے بعد نہ صرف اپنے عہد کا ترجمان ہوتا ہے بلکہ آئندہ کے لیے بھی نمونہ بن جاتا ہے۔

ادبی تخلیق کار معاشرے کا دانش مند اور حساس فرد ہوتا ہے۔ معاشرے کے تمام پہلوؤں پر اس کی عمیق نظر ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ کوئی ادبی تخلیق کار علمِ سیاست پڑھا ہوا ہو یا اہلِ سیاست کا شریکِ کار ہو تبھی اس کے

ہاں سیاسی شعور موجود ہو گا۔ معاشرے کے ہر ذی فہم فرد کی طرح ادبی تخلیق کار بھی کاروبارِ سلطنت چلانے والے لوگوں کے منصب اور ان کی ذمہ داریوں کو سمجھتا ہے اور ان کے متعلق اپنی رائے رکھتا ہے۔ روسو کہتا ہے کہ ''عوام اپنی رضا کی بنا پر ریاست سے ایک معاشرتی معاہدہ (Social Contract) کرتے ہیں۔''(۱۹)

اس معاہدے کے کچھ کہے اور کچھ اَن کہے اصول وضوابط ہوتے ہیں۔ ایک مثالی سیاسی نظام عوام کو ان کے حقوق بلا امتیاز و بلا تاخیر فراہم کرتا ہے۔ ادیب بھی اسی طرح کے کسی مثالی نظام کے بارے میں سوچتا ہے۔ جب وہ اپنے مثالی نظام اور موجود نظام کے درمیان ہم آہنگی دیکھتا ہے تو اسے سراہتا ہے اور جب ان کے درمیان تفاوت کی کوئی شکل دیکھتا ہے تو اس کے خلاف احتجاج و مزاحمت کی آواز بلند کرتا ہے۔ مثلاً جمہوریت کے دور میں ادیب کی ذمہ داری کے بارے میں ایلن ٹیٹ رقم طراز ہیں:

> ادیب جمہوریت کے دور میں اپنے استحقاق کو اسی طرح استعمال کرتا ہے جیسے دوسرے حقوق کو۔ اس شرط کے تحت کہ وہ خود بھی بدلے ہوئے جمہوری معاشرے کو کچھ دے۔ لیکن جو چیز وہ جمہوری معاشرے کو دیتا ہے وہ معاشرے کو بہت کم پسند آتی ہے اور وہ چیز ہے جمہوریت کے غلط استعمال کی مخالفت۔ خصوصاً ان عوامل کا فرق بتانا جو جمہوریت کے مطابق ہوتے ہیں اور جو جمہوریت کو غصب کرنے کے مترادف ہوتے ہیں۔(۲۰)

سیاسی سرگرمیوں کے باعث معاشرے پر مرتب ہونے والے اچھے برے اثرات تخلیق کار کی نظروں میں ہوتے ہیں۔ ہر سچا ادبی تخلیق کار بنیادی طور پر بنی نوع انسان کا نمائندہ ہے اور انسان دوستی اس کے لیے اولین قدر کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لیے اگر وہ معاشرے میں کوئی ایسی ناہمواری دیکھتا ہے جو انسانوں کے استحصال کا باعث بنتی ہے اور جس کی سب سے بڑی وجہ نظامِ سیاست کی خرابی ہے، تو اس پر سراپا احتجاج بن جاتا ہے اور اس عدم مساوات کے خلاف اپنی ادبی صلاحیت کا استعمال کرتا ہے۔ اس لیے سیاسی شعور ہر بڑے تخلیق کار کے ادبی شعور کا لازمہ ہے۔ لہٰذا جب کوئی بھی لکھنے والا ریاست اور عوام کے تعلقات کی نوعیت پر بات کرتا ہے تو دراصل اپنے سیاسی شعور کا اظہار کرتا ہے۔ وہ کاروبارِ حکومت کو اپنے نقطۂ نظر کی کسوٹی پر پرکھتا ہے اور اس کے عیوب ومحاسن پر رائے دیتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس سیاسی شعور کا اظہار سب تخلیق کاروں کے ہاں ایک جیسا ہو۔ بعض کے ہاں اس کا اظہار کھلا اور بلند آہنگ ہے جبکہ بعض کے ہاں یہ سماجی احتجاج کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ بعض تخلیق کاروں کی تو پہچان ہی ان کی سیاسی آگاہی قرار پاتی ہے۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ ''دانتے کے متعلق کہا گیا ہے کہ اگر اس کے ادب اور شاعری سے فلارنس کی سیاسیات کو نکال دیا جائے تو پھر وہ دانتے نہیں رہتا۔ یہی صورت اقبال کی ہے۔''(۲۱) کسی ادیب کا سیاسی شعور اس کے انفرادی نقطۂ نظر سے بھی تشکیل پا سکتا ہے اور کسی پہلے سے موجود نظریے کے ساتھ ادیب کی ذہنی وقلبی وابستگی کے نتیجے میں بھی ظہور پذیر ہوسکتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ سیدعبداللہ، ڈاکٹر، **اشاراتِ تنقید**، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء، ص ۲۴۷

۲۔ **فرہنگ آصفیہ**، مرتبہ: مولوی سید احمد دہلوی، جلد سوم و چہارم، اردو سائنس بورڈ، لاہور، طبع پنجم، ۲۰۰۶ء

۳۔ ڈیکارٹس بحوالہ سلام سندیلوی، **ماحول اور مزاج**، سفینۂ ادب، لاہور، س ن، ص ۱۴۹

۴۔ جان لاک بحوالہ سلام سندیلوی، ایضاً

۵۔ رشید امجد، ڈاکٹر، **یافت و دریافت**، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۹۲

۶۔ سٹیفن سپنڈر بحوالہ فہیم اعظمی، ڈاکٹر، **آراء**، مکتبۂ ''صریر''، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص ۱۹۳

۷۔ اشفاق حسین، **فیض کے مغربی حوالے**، جنگ پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۳۱، ۳۲

۸۔ محمد حسن عسکری، **تخلیقی عمل اور اسلوب**، مرتبہ: محمد سہیل عمر، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۲۳۶

۹۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، **کشاف تنقیدی اصطلاحات**، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص ۹

۱۰۔ انور سدید، ڈاکٹر، **اختلافات**، مکتبۂ اردو زبان، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۲۷، ۲۸

۱۱۔ وارث علوی، **تیسرے درجے کا مسافر**، نگارشات، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۱۸۶

۱۲۔ سجاد حارث، **ادب اور ریڈیکل جدیدیت**، نگارشات، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۱۵۰

۱۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، **معاصر ادب**، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۳۲

۱۴۔ مبارک علی، ڈاکٹر، **تاریخ شناسی**، فکشن ہاؤس، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۷

۱۵۔ سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر، **تہذیب و تخلیق**، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص ۱۲۳

۱۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ''ادب اور عصری آگہی'' مشمولہ **ادبی زاویے**، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء، ص ۹۸

۱۷۔ رشید امجد، ڈاکٹر، **یافت و دریافت**، ص ۹۵

۱۸۔ سلام سندیلوی، ڈاکٹر، **ادب کا تنقیدی مطالعہ**، مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۸۶ء، ص ۳۰

۱۹۔ روسو بحوالہ سلام سندیلوی، **ماحول اور مزاج**، ص ۱۴۹

۲۰۔ ایلن ٹیٹ بحوالہ فہیم اعظمی، ڈاکٹر، **آراء**، ص ۱۸۱

۲۱۔ سیدعبداللہ، ڈاکٹر، **ادب و فن**، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۲۷۲